تعارفِ اہلحدیث

"اہلحدیث" فرقہ نہیں !

یہ عجیب بات ہے کہ اہل حدیث کا تصورِ دینی جس درجہ سادہ، سمجھ میں آنے والا اور قلب و روح کو حرارت وتپش عطا کرنے والا ہے، یار لوگوں نے اتنا ہی اسے الجھا دیا ہے اور اس کے بارہ میں ایسی ایسی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں کہ الامان والحفیظ! —— سوال کم پڑھے لکھے یا جہال کا نہیں، اچھے خاصے علماء کا ہے۔ ان حلقوں میں اگر کسی جانی پہچانی شخصیت کے بارہ میں بھولے سے کسی نے یہ کہہ دیا یا لکھ دیا کہ صاحب وہ تو "وہابی" "غیر مقلد" یا "اہل حدیث" ہے، تو نہ پوچھئے —— صرف اتنا کہہ دینے اور لکھ دینے سے اس کے متعلق طبیعت بڑی تیزی سے بدل جاتی ہے اور اس کے خلاف نفرت وتعصب کے نہ جانے کتنے طوفان اٹھ کھڑے ہونے ہیں۔

نفرت وتحقیر کا یہ بادۂ تلخ انگریز کے استعماری مصالح کے علاوہ اور کن کن مقدس ہاتھوں سے کشید ہوا ہے؟ اور تہمت کی اس سازش میں کس کس نے حصہ لیا ہے؟ کن کن عناصر نے اہل حدیث کے خلاف اس نفسیاتی مہم کو چلانے میں کامیاب کردار ادا کیا ہے؟ یہ ایک مستقل اور علیحدہ موضوع ہے، جو مخصوص تحقیق والتفات چاہتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے متعلق سرِدست تعرض کرنا موزوں نہیں —— کیونکہ ؏

اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

تاہم اتنی بات کہہ دینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں کہ نفرت کی یہ مہم پورے زور وشور اور تنظیم کے ساتھ آج بھی جاری ہے۔ حالانکہ جماعت اہلِ حدیث کے عقائد وسرگرمیاں اور ۔۔۔ ، کوئی چیز بھی تو ڈھکی چھپی نہیں۔ اور کوئی چیز بھی ایسی تو نہیں، جس میں اسلامی نظریہ

وتصور سے کسی درجہ میں بھی انحراف پایا جائے! ـــــ بلکہ یوں کہنا چاہیے، ہم تو معتوب اور مستوجبِ تعزیر ہی اس بناء پر ہیں کہ فقہ ہو یا کلام، تفسیر ہو یا حدیث، دین کے معاملہ میں ہم ادنیٰ انحراف کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔

ہمارا سیدھا سادہ عقیدہ یہ ہے کہ حق وصداقت کو صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں محصور ومنحصر مانو۔ اور سعی وعمل یا فکر وعقیدہ کا جب بھی کوئی نقشہ ترتیب دو، تو تابش اور ضو کے لیے اسی آفتابِ ہدایت کی طرف رجوع کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائناتِ انسانی کے لیے سراجِ منیر ٹھہرایا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا" (الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

یہاں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہم کسی طرح بھی تاریخی ارتقاء کے منکر نہیں۔ اور زمانے کے ناگزیر تقاضوں کے تحت فقہ وکلام کے سلسلہ میں ہمارے ہاں جلیل القدر علماء اور ائمہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ان سے ذرہ برابر صرفِ نظر نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی فکری وآئینی کاوشیں، امام شافعیؒ کی اصولِ فقہ وحدیث کی ترتیب، امام مالکؒ کا اصحابِ مدینہ کے تعامل کو دست بردِ زمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لینا اور امام احمد حنبلؒ کی جمع حدیث کی وسیع تر کوششیں ہماری تہذیبی انفرادیت کا زندہ ثبوت ہیں، اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر ہم جس قدر بھی فخر وناز کریں کم ہے۔

ہم حق کو ان سب مدارسِ فکر میں، جن کی ان بزرگوں نے بنیاد رکھی، دائر وسائر تو مانتے ہیں ـــــ لیکن محصور ومنحصر کسی میں بھی نہیں جانتے۔ کیوں کہ ہمارے نقطۂ نگاہ سے صحت وصواب کی استواریاں غیر مشروط طور پر صرف کتاب اللہ وسنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا"

(النساء: ۵۹)

"ایمان والو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اور اولی الامر کی بھی۔ پس اگر تمہارا کسی امر میں نزاع ہو جائے تو اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو ـــــ یہ بہتر بھی ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے!"

چنانچہ ہمارے عقیدہ کی رو سے استدلال و تاویل کا یہی دو چیزیں نقطۂ آغاز ہیں اور یہی نقطۂ آخر! ـــــ دوسرے لفظوں میں سورۂ نساء کی اس آیت کو ہم "PREAMBLE" یا قانونی اساس سمجھتے ہیں۔ اس آیت ہی کے لب و لہجہ میں علماء سے کہتے ہیں کہ ہر ہر متنازع مسئلہ میں اول و آخر کتاب و سنت ہی کی طرف رجوع کیجیے ـــــ تقلید و عدم تقلید کی اصطلاح میں پڑے بغیر کہ اس میں قدرے الجھاؤ اور جھول ہے۔ ہم محبت و وفا کی زبان میں دعوی دارانِ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ خدارا آپ ہی بتائیے، اگر کسی گروہ نے یہ فیصلہ ہی کر لیا ہو کہ طلب و آرزو کے دامن کو وہ صرف انھی گل بوٹوں سے سجائے گا جو قرآن و سنت کے سدا بہار دبستان میں نظر افروز ہیں ـــــ اور کچھ لوگوں نے ازراہِ شوق یہی مناسب جانا ہو کہ ان کی نظر اگر کسبِ ضو کرے گی تو انہی انوار و تجلیات سے، جو چہرۂ نبوت کی زیب و زینت ہیں ـــــ یا زمان و مکان کے فاصلوں کو ہٹا کر اگر کوئی بے تاب اور متجسس نگاہ اسی جمالِ جہاں آرا کا براہِ راست مشاہدہ کرنا چاہتی ہے، جس کی جلوہ آرائیوں نے عشاق کے دلوں میں پہلے پہل ایمان و عمل کی شمعیں فروزاں کیں، تو آیا یہ کوئی جرم، گناہ یا معصیت ہے؟ اور اگر یہ جرم اور معصیت ہے، تو ہمیں اقرار ہے کہ ہم وابستگانِ دامنِ رسالت اور اسیرانِ حلقۂ نبوت مجرم اور گناہ گار ہیں۔

تقلید و عدم تقلید کا مسئلہ دراصل فنی و علمی سے زیادہ نفسیاتی ہے، سوال یہ ہے کہ ٹھیٹھ اسلام کی رو سے ہماری اولین ارادت کا مرکز کون ہے؟ ہماری پہلی اور بنیادی وابستگی کس سے ہونی چاہیے؟ اور پیش آمدہ مسائل میں، مشکلات کے حل و کشود کے سلسلہ میں ہمیں اول اول کس کی طرف دیکھنا چاہیے؟ ـــــ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم کشا اور ابدی تعلیمات کی طرف، یا فقہی مدارسِ فکر کی وقتی اور محدود تعبیرات کی طرف؟ ـــــ اس سے قطع نظر کہ تقلید سے فکر و نظر کی تازہ کاریاں مجروح ہوتی ہیں، اور اس سے بھی قطع نظر کہ اس سے خود فقہ و استدلال کے قافلوں کی تیز رفتاری میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں،

اور تہذیب وفن کی وسعتیں زندگی، حرکت اور ارتقاء سے محروم ہو جانے کے باعث حد درجہ سمٹاؤ اختیار کر لیتی ہیں ـــــ اصل نقص اس میں یہ ہے کہ اس سے عقیدہ و محبت کا مرکزِ ثقل یکسر بدل جاتا ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ ہماری ارادت وعقیدت کا محور وقبلہ، اول وآخر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہے، ہماری عصبیتیں مخصوص فقہی مدارس سے وابستہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور غیر شعوری طور پر قلب وذہن اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ بحث وتمحیص کے مسئلہ میں کتاب وسنت سے کسی نہ کسی طرح مسائل کی وہی نوعیت ثابت ہو جو ہمارے حلقہ اور دائرہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ربط وتعلق کی کیفیتیں معروضیت (OBJECTIVITY) چاہتی ہیں اور اس بات کی مقتضی ہیں کہ ہر ہر مسئلہ اور امر میں نقطۂ نظر کسی خاص مدرسہ فکر کی تائید وحمایت کرنا نہ ہو، بلکہ اس شئ کی تصدیق مقصود ہو کہ اخذ وقبول کے لحاظ سے کون صورت کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب تر ہے۔

ممکن ہے اس پر کوئی صاحب کہہ اٹھیں کہ مسائل پر غور وفکر کرنے کا یہ تو محض ایک انداز ہوا، یا زیادہ سے زیادہ اہل حدیث کی نفسیاتِ دینی کی تشریح ہوئی، لیکن حل طلب سوال تو یہ ہے کہ صرف اندازِ فکر اور اسلوبِ استدلال سے کوئی مذہب یا مسلک کب متعین ہوتا ہے؟ ـــــ مسلک اور مذہب کی تعیین کے لیے ضروری ہے کہ اہل حدیث کے مخصوص مابعد الطبیعاتی تصورات ہوں، علیحدہ اور ممیز علم الکلام ہو، اور کتاب وسنت کی واضح تعلیمات پر مبنی اپنا علم الفقہ ہو ـــــ اسی کی روشنی میں ان کی خاص تاریخ ہو، جس سے کہ ان کے ارتقائے علمی کا پتہ چل سکے، اور معلوم کیا جا سکے کہ ماضی کے قریب وبعید کے مختلف ادوار میں انھوں نے مذہب ودین کی تشریح وتعبیر کے سلسلہ میں کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں؟ یا اسلامی تہذیب وتمدن کی نشاط آفرینیوں میں ان کا کیا حصہ ہے؟

اعتراض بظاہر بہت وزنی ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارا مسلک واقعی "مذاہبِ مدوّنہ" کی فہرست میں شامل نہیں۔ یہ ایک مذہب ہے جس کے اصول اور کلامی وفقہی پیمانے گو متعین ہیں، تاہم اصطلاحی معنوں میں یہ مذہب نہیں ہے ـــــ اس کے ماننے والوں کے باقاعدہ معمولات ہیں اور عقیدہ وعمل کا متعین قالب ہے، مگر اسے کسی لحاظ سے بھی گروہ نہیں کہنا چاہیے۔ اسی طرح اس کی اصلاح وتجدید کے کارناموں پر مشتمل اپنی ایک تابناک

تاریخ بھی ہے لیکن یہ تاریخ صرف انہی کی تاریخ نہیں ہے، اسے پورے اسلام کی تاریخ قرار دینا چاہیے۔

بظاہر یہ بات حد درجہ تضاد لیے ہوئے ہے لیکن ذرا غور کیجیے گا تو معلوم ہوگا کہ اسی تضاد میں اس کا حل بھی مضمر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ پہلی صدی ہجری کے آخر ہی میں اسلام کو شدید نوعیت کے دینی و سیاسی انحرافات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور تیسری صدی بھی اختتام کو نہیں پہونچی تھی کہ ان انحرافات نے شدید نوع کے تعصبات کا روپ دھار لیا۔ اسی عرصہ میں مسئلہ امامت و خلافت کی وجہ سے شیعیت ابھری اور اس کے پہلو بہ پہلو ایک تاریخی حادثہ کی بناء پر خارجیت نے جنم لیا، جس نے آگے چل کر مستقل فتنے کی شکل اختیار کر لی۔ انہی سیاسی اختلافات نے ارجاء کی مصلحتوں کو ہوا دی اور مسلمان مرجئہ اور غیر مرجئہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ نیز یونانی علوم کے فروغ وارتقاء نے اعتزال و جہمیت کی تخلیق کی، جس نے صدیوں تک مسلمانوں کو گوناگوں عقلی اختلافات میں الجھائے رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ علمی و دینی حلقوں میں بیسیوں نئے مسئلے پیدا ہو گئے ـــــ صفاتِ باری عین ذات ہیں یا غیر؟ استواء علی العرش کے کیا معنی ہیں؟ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ قدرت و استطاعت افعال سے پہلے ہے یا ان کے ہم قرین ہے؟ انسان مجبور ہے یا مختار؟ اللہ تعالیٰ محالات پر قادر ہے یا نہیں؟ خلق شئ سے کیا مراد ہے؟ خورد سال اطفال قیامت کے روز عذاب کا ہدف بنیں گے یا نہیں، جنت و دوزخ عارضی ہیں یا دائمی؟ اور روح کیا ہے؟

یہ اور اس نوع کے عجیب و غریب مسائل، جن کی وجہ سے اسلامی صفوں میں انتشار و تشتت کا پیدا ہونا ناگزیر تھا ـــــ اسی دور میں غنوصیت (Gnosticism) نے، جس کے ماننے والے عراق میں کثرت سے تھے، تصوف کو حریفانہ شکل میں پیش کیا۔ اور تقدس و ریاضت کے بہروپ میں اس یقین کو دلوں میں اتارنے کی کوشش کی کہ علوم نبوت کے مقابلہ میں عرفان و ادراک کا ایک اور یقینی ذریعہ کشف بھی ہے، جس کی مدد سے براہِ راست حقائق کونیہ و دینیہ کا پالینا ممکن ہے۔

قریب قریب یہی وہ زمانہ ہے جس میں فقہی مذاہب مدوّن و مرتب ہوئے۔ ان کے پرجوش حامی ایک دوسرے کے مقابل میں صف آراء ہوئے اور باقاعدہ مناظرہ و جدل کی بنیاد پڑی۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ عصبیتیں ابھریں، حلقے بنے اور آخر میں تقلید و جمود

نے اسلامی معاشرہ کی اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یہاں غور طلب یہ نکتہ ہے کہ گمراہیوں کے اس ہجوم میں اسلام کی فطرت میں اصلاحِ احوال کی جو قدرتی صلاحیتیں تھیں، کیا وہ چپ چاپ یہ تماشا دیکھتی رہیں؟ اور کسی گروہ، کسی جماعت کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ ان انحرافات کی نشاندہی کرے اور یہ بتائے کہ ان گمراہیوں کے مقابلہ میں اسلام کا صحیح صحیح موقف کیا ہے؟ خوش قسمتی سے واقعہ یہ نہیں ہے۔ تاریخ وسیر سے سرسری واقفیت رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ بفحوائے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہر دور میں ایسے لوگوں کا وجود رہا ہے کہ جنھوں نے کلمۂ حق کا برملا اظہار کیا ہے، جنھوں نے تجدید واصلاح کی ذمہ داریوں کو سنبھالا ہے، اور اسلام کے چہرۂ زیبا سے بدعات کے گرد وغبار کو دور کرنے کی مقدور بھر مساعی جاری رکھی ہیں ـــــ جنھوں نے ذخائرِ حدیث کی حفاظت کی، جنھوں نے عقائد کی پیچیدگیوں کو سلجھایا اور مروجہ فقہی مذاہب کے مقابلہ میں سنت پر مبنی، سنت سے مستنبط اور سنت سے قریب تر مسائل کی طرف فقہاء کی عنانِ توجہ والتفات کو موڑ دینے میں کامیابی حاصل کی ہے ـــــ یہ گروہ اہل الحدیث والسنّۃ کا ہے۔

امام ابوالحسن اشعری نے "مقالات الاسلامیین" کی پہلی جلد کے آخر میں تقریباً پانچ صفحوں میں اس گروہ کے عقائد وسیرت کا ایک دل چسپ اور دل نواز نقشہ پیش کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے وسط تک اہل الحدیث والسنۃ کے سامنے کلام و فقہ کے کیا کیا مسائل تھے؟ اور ان حضرات نے ان مسائل کو کیوں کر حل کیا؟ ہم اس سلسلہ میں دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اصلاح وتجدید کی یہ تمام کوششیں، جو مختلف حلقوں اور مختلف زمانوں میں فقہ وکلام کی طرف طرازیوں کو کتاب وسنت کے سانچوں میں ڈھالنے کی غرض سے انجام پائیں، ہماری ہیں ـــــ ان کا علم الکلام ہمارا علم الکلام ہے، ان کی فقہ ہماری فقہ ہے اور ان کی تاریخ ہماری تاریخ ہے۔

لیکن اس کے باوجود ہم نے کسی متعین مدرسہ یا فقہ یا علم الکلام کے بعض بنے بنائے اصولوں کو اس بناء پر اپنانے کی کوشش نہیں کی ہے کہ مبادا ہماری عصبیتیں بھی اپنا محور بدل لیں۔ اور بجائے اس کے کہ عقیدت ووابستگی کے دائرے براہِ راست کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہیں، ہم بھی اس تضاد کا شکار ہو کر نہ رہ جائیں

کہ ماضی میں تمام فقہی و کلامی مذاہب جس کا شکار ہوئے ہیں۔

گویا ہماری نفسیاتِ دینی اور ہمارے جذبۂ حُبِّ رسولؐ کا تقاضہ یہ ہے کہ فکر و عمل کی کسی صورت میں بھی ہم بجز کتاب اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کے دیگر کسی تقلید، کسی تقلید اور انتساب کو اپنے لیے گوارا نہ کریں۔ اور زمان و مکان اور اشخاص و ائمہ سے قطع نظر، ہر اس سچائی کو اپنائیں، ہر اس استدلال کو تسلیم کریں اور تجدید و اصلاح کی ہر اس کوشش کو سراہیں، جو قرآن و حدیث پر مبنی ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اسی حال میں ہمیں زندہ رکھے اور جذب و کیف کے اسی جانفزا عالم میں موت سے دوچار کرے۔ آمین!

(بشکریہ "محدث" بنارس)

شعر و ادب — جناب فضل الرحمان فضلؔ

حمدِ باری تعالیٰ

یا رب تیری شان نرالی — تو ہے سب دنیا کا والی
تیری حمد و ثنا کرتا ہے — پتہ پتہ ڈالی ڈالی
تیرے لطف و کرم سے باقی — گلشنِ دنیا کی ہریالی
تیری عنایت سے قائم ہے — تازگی اور پھولوں کی لالی
تو ہی سب کا روزی رساں ہے — سب کی کرتا ہے رکھوالی
تو ہے داور، مصطفٰےؐ رہبر — باقی ساری خام خیالی
یا رب میری جھولی بھر دے — بھر دے بھر دے جھولی خالی
خالی ہاتھ نہیں جاتا ہے — تیرے در سے کوئی سوالی
یا رب اونچا رہے ہمیشہ — پرچم اپنا سبز ہلالی

لاج میری محشر میں رکھنا
فضلؔ ہے تیرے در کا سوالی